© rasailojaraid.com

روس میں پان ترکزم اور اسلام[1]

تلخیص و ترجمہ

(آخری قسط)

آذربائیجان کی آزاد سیاست کی سب سے بڑی حکمراں پارٹی مساوات" بائیں بازو اور دائیں بازو میں بٹی ہوئی تھی، بائیں بازو کی قیادت رسول زادہ وغیرہ باکو کے دانش وروں کی تھی، جو لبرل ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ انتہاپسند بھی تھے۔ اور دائیں بازو والے طبقہ اشراف کے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس موقع پر سوویت حکومت سے مصالحت کرنے کے حق میں صرف "مساوات" کا بائیں بازو اور مسلم سوشلسٹوں کا گروہ ہی نہ تھا، بلکہ انتہائی دائیں بازو والے "اتحادی" بھی اس کی تائید میں تھے۔ اتحادیوں پر شیعہ علماء کا اثر غالب تھا۔ اور اس کی وجہ سے وہ سنی ترکی اتحاد کے مخالف تھے ان کے نزدیک پان ترکزم تعلیمات نبوی کے مخالف تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ "اسلام ہمیشہ سے ایک عالمگیر مذہب رہا ہے۔ اور اس کا قومی تحریکوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اتحاد پارٹی کے ارکان کو صرف اتحاد اسلامی کے نقطۂ نظر سے سوچنا چاہیئے۔ ہماری پارٹی کی ساخت ہی جس میں نہ صرف آذربائیجانی ترک ہیں بلکہ ایرانی اور کاکیشیا کے پہاڑی باشندے بھی شامل ہیں، پیغمبر اسلام کی تلقین کردہ بین الاقوامیت کی عالمگیریت کا ایک واضح ثبوت ہے۔"

غرض سنی ترک قوم پرستوں کی مخالفت میں اتحادیوں نے رضاکارانہ طور پر کمیونزم کے بین الاقوامی عقیدے اور اس کے پروپیگنڈے کی حمایت کی۔ بالشویکوں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مساوات پارٹی" کے خلاف اتحادیوں کی اس جدوجہد کی بڑی ہوشیاری سے مدد کی اور اس طرح

---

[1] یہ سلسلۂ مضامین ہارورڈ (امریکہ) یونیورسٹی سے شائع شدہ ایک انگریزی کتاب سے ملخص ہے۔ (مدیر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماوراء قومیت اتحاد کے اصول کے تحت وقتی طور پر انتہائی دائیں بازو اور انتہائی بائیں بازو والے اکٹھے ہوگئے۔ ماورائے کاکیشیا سے برطانوی افواج کے انخلاء اور سفید روسی جرنیل کی شکست کے بعد (مارچ ۱۹۲۰ء) پہلی دفعہ دو سال کے عرصے میں آذربائیجان کی آزاد ریاست سرخ فوج کی زد میں آئی۔ آرمنی کمیونسٹ لیڈر انستاس میکویان[1] کو فروری ۱۹۱۸ء میں آذربائیجان بالشویک پارٹی کا تنظیمی قائد بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے باکو میں ایک الگ آذربائیجانی کمیونسٹ پارٹی بنائی جس نے یہاں وہی کام کیا جو وولگا یورال اور روس کے دوسرے ترک علاقوں میں ترک قوم پرست کمیونسٹوں نے کیا تھا۔ باکو کی اس نئی کمیونسٹ پارٹی نے ترک آبادی میں "مساوات" پارٹی کے اثر و نفوذ کو ختم کرنے پر اپنی تمام کوششیں مرکوز کر دیں۔ اس زمانے میں اناطولیہ میں مصطفےٰ کمال نے ترکوں کی قیادت سنبھالی، اور اس سے میکویان کا کام اور بھی آسان ہوگیا اور صرف یہ کہ مصطفےٰ کمال اس میں رکاوٹ نہ بنا، بلکہ اس نے آذربائیجان، آرمینیا اور جارجیا کے ماسکو کے کنٹرول میں جانے میں مدد دی۔ دراصل اس وقت کمالی ترک یونان سے برسرجنگ تھے اور فاتح اتحادیوں (برطانیہ وغیرہ) اور آرمینیوں سے ان کی چل رہی تھی۔ قدرتاً ان کی نگاہیں مدد کے لئے ماسکو کی طرف اٹھیں۔ چنانچہ مصطفےٰ کمال کو ادھر سے گولہ بارود اور اسلحہ مل گئے۔ سوویت حکومت نے سوچا ہوگا کہ وسطِ ایشیا کے جدیدیین اور قازان کے مسلم سوشلسٹوں کی طرح مصطفےٰ کمال بھی مشرق میں ان کے انقلابی کام کے لئے آلۂ کار بن جائے گا۔

اکیلا آذربائیجان سوویت کمیونسٹوں اور کمالی ترکوں کے متحدہ دباؤ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر خود آذربائیجانی حکومت میں بھی اختلافات تھے۔ خان خوئسکی اور قدامت پسند بوڑھا گروپ نے رسول زادہ کی طرف سے پیش کردہ کمیونسٹوں اور سوویت حکومت سے پرامن تعاون کی پالیسی کو مسترد کر دیا۔ پندرہ ہزار سرخ فوج آذربائیجان کی سرحد پر داغستان میں تیار کھڑی تھی، ادھر میکویان کے کمیونسٹ خفیہ اڈے برابر طاقتور ہو رہے تھے۔ اور ان کے پاس آدمیوں اور ہتھیاروں کی کمی نہ تھی۔

---

[1] ابھی حال میں انہیں سوویت یونین کا صدر منتخب کیا گیا ہے اس سے پہلے یہ نائب وزیر اعظم تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن سوویت حکومت کی اتنے وسیع پیمانے پر یہ تیاریاں بے کار تھیں، کیونکہ "مساوات" کی آذربائیجانی حکومت سوویت کے اندازے سے کہیں زیادہ کمزور تھی۔ ۲۷ اپریل ۱۹۲۰ء کو اسے سوویت حکومت اور باکو کیمونسٹوں کے نام پر بارہ گھنٹے کے اندر اندر اقتدار حوالے کر دینے کا الٹی میٹم دیا گیا، چنانچہ آذربائیجان پارلیمنٹ کا آخری اجلاس بلایا گیا کیمونسٹ دستے پارلیمنٹ کی عمارت کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ غرض بغیر کسی مخالفت کے الٹی میٹم منظور کر لیا گیا۔ اور بالشویکوں کو اقتدار حوالے کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ دوسرے دن باکو کے کیمونسٹوں نے نئی حکومت کی تشکیل کی۔ اس میں آٹھ آذربائیجانی مسلمان (سات ہمت گروپ کے کیمونسٹ اور ایک شیعہ ایرانی کیمونسٹ تنظیم "عدالت" کا) اور تین روسی کیمونسٹ تھے۔ مساوات پارٹی کے بورژوائی اور طبقہ اشراف کے دائیں بازو کے بہت سے لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔ رسول زادہ نے اسٹالن کی کیمونسٹ پارٹی میں شامل ہونے کی شخصی دعوت کو مسترد کر دیا۔ اور ۱۹۲۱ء میں وہ روس سے باہر فرار ہو گیا۔ بہت سے بائیں بازو کے "مساوات" پارٹی کے ممبر کیمونسٹ صفوں میں شامل ہو گئے۔ اوائل سنہ ۱۹۲۰ء میں آذربائیجان میں وہی سوویت حکومت کے دست و بازو تھے۔ لیکن بعد کے سالوں میں ان کے اکثر تطہیر کا نشانہ بنے۔

دو سال بعد مارچ سنہ ۱۹۲۲ء میں آذربائیجان کی آزاد قانونی حیثیت ختم کر دی گئی اور وہ بھی سوویت یونین کی دوسری جمہوریتوں کی طرح سوویت نظام کے تحت ایک جمہوریت بن گیا

کتاب کے آخری باب کا عنوان "نتیجہ" ہے۔ اس میں مصنف لکھتا ہے کہ ۱۹۲۰ء میں روس کی خانہ جنگی کے ختم اور سوویت اقتدار کے مستحکم ہو جانے سے روسی ترکوں کی تاریخ کی ایک اہم داستان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سوویت حکومت نے ان ترکوں کی مختلف خود مختار جمہوریتیں بنا دیں جن میں وہاں کے باشندوں کی زبانوں کو سرکاری زبانیں کا درجہ دے دیا گیا۔ اور بظاہر سمجھ لیا کہ اس طرح روسی ترکوں کی قومی امنگوں کی جن کے لئے ترک قوم پرستوں کی ایک پوری نسل جد و جہد کرتی رہی تھی۔ تسکین ہو گئی ہے لیکن عملاً یہ جمہوریتیں سوویت حکومت اور کیمونسٹ پارٹی کے کنٹرول میں تھیں۔ غرض ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۲۰ء تک سیاسی اظہار رائے اور نئی نسلوں میں ترک قومیت کی روح پیدا کرنے کی ایک حد تک جو آزادی تھی۔ اس کا دور ختم ہو گیا۔ اور سوویت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یونین کے دوسرے باشندوں کے ساتھ ساتھ روسی ترکوں کی زندگی اور ان کے ذہنوں پر ایک ہمہ گیر و ہمہ جہتی آمرانہ نظام مسلط کردیا گیا۔

۱۹۲۰ء کے بعد روسی ترکوں کی ثقافت اور زندگی پر اسلامی اثرات میں بہت زیادہ کمی آگئی اور اس کے مقابلے میں سیکولرزم کا اثر بہت بڑھ گیا۔ اسی زمانے میں مصطفیٰ کمال پاشا برسر اقتدار آئے اور وہاں بھی سیکولرزم کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ ۱۹۲۰ء کے بعد روس کے ان سکولوں میں جہاں روسی ترکوں کے بچے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اسلام کی تعلیم بند کردی گئی۔ مساجد کے مناروں سے موذنوں کے لئے اذان دینے کی اجازت نہ رہی۔ مساجد جزوی طور پر بند ہوگئیں اور تھوڑے بہت جو دینی مدارس رہ گئے تھے، ان میں طالب علموں کے لئے تعلیم حاصل کرنے پر پابندیاں لگ گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پہلے ۲۵ ۱۹ء - ۲۷ ۱۹ء میں روسی ترکوں کا رسم الخط عربی سے لاطینی میں اور پھر ۱۹۳۰ء - ۳۹ ۱۹ء میں روسی میں بدل دیا گیا۔ اور اس طرح روس کے ترک باشندے تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے باقی اسلامی دنیا سے منقطع ہو کر رہ گئے۔

مصنف نے کتاب کے آخری باب میں روس میں پان ترکزم اور اسلام" کی اس تمام جدوجہد پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ روسی ترکوں میں دراصل بیداری کی تحریک کا آغاز "پان اسلامزم" سے ہوا تھا جس کے نظری قائد سید جمال الدین افغانی تھے، یہی وہ تحریک تھی، جس نے روس میں آباد تمام ترک باشندوں میں وحدت کا احساس پیدا کیا، اور ان میں سیاسی شعور کی روح پھونکی اس کے بعد ان کے ہاں ترکیت و اسلامیت سے ملی جلی ترک قومیت کی نشو و نما ہوئی، جس نے آگے چل کر پان ترکزم کی شکل اختیار کرلی۔ مصنف لکھتا ہے کہ یہ "پان ترکزم" کا جذبہ تمام تر سطحی تھا، اور اس کی جڑیں نہ تو ترکوں کی تاریخ میں تھیں اور نہ ان کے قومی و ثقافتی شعور میں، نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے نہ تو روسی ترکوں میں قومی اتحاد پیدا ہوسکا اور نہ وہ مل کر اور ایک ہو کر کوئی مثبت سیاسی اقدام کرسکے۔ بلکہ روس کے مختلف علاقوں میں آباد ہونے کی وجہ سے نہ ان کی زبان ایک رہ گئی اور نہ وہ اپنی جغرافیائی وحدت قائم رکھ سکے۔ اور اکثر اوقات ان میں آپس میں تفرقات پیدا ہوتے رہے۔ وولگا یورال کے نسبتاً ترقی یافتہ تاتاریوں سے کم ترقی یافتہ بشکیری، ترکمانی اور قازقی اکثر بدظن رہتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روسی ترکوں کی قومیت کی جدو جہد کا تو یہ انجام ہوا۔ ان میں اسلام کی جو تحریک اٹھی تھی، وہ اس لئے زیادہ نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی کہ اوّل تو ترک قدامت پرستوں اور جدیدیین (ماڈرنسٹ) میں شروع ہی سے اختلاف پیدا ہوگیا، جس نے اکثر اوقات منافرت کی شکل اختیار کی۔ اور بارہا ایسا ہوا کہ جدیدیین کو قدامت پرستوں کی زیادتیوں سے بچنے کے لئے بالشویکوں کی پناہ اور مدد لینی پڑی۔ اسی طرح کہیں کہیں قدامت پرستوں نے قوم پرست جدیدیین کے مقابلے میں بین الاقوامیت کے حامی بالشویکوں کو ترجیح دی۔ اور ان سے سیاسی گٹھ جوڑ کر لیا۔ ابتدا ہی سے ترک جدیدیین کا رجحان ایک حد تک سیکولرزم کی طرف تھا۔ شروع میں تو ان کا سیکولرزم زیادہ نمایاں نہ تھا، بلکہ وہ اسلامیت ہی کی بظاہر ایک شکل بتائی جاتی تھی، لیکن آہستہ آہستہ سیکولرزم کا زور بڑھتا گیا۔ اور اس نے پہلے محدود ترک قومیت اور بعد میں پان تاتارزم کی شکل اختیار کر لی، جس سے ترکوں کے ہاں جو اسلامی تحریک تھی اس کو بڑا نقصان پہنچا۔

مصنف لکھتا ہے کہ ۱۹۰۵ء سے روسی ترکوں میں اسلامی و قومی بیداری کی جو لہر اٹھی تھی، ۱۹۱۷ء میں وہ ایک اہم ارتقائی مرحلے پر پہنچ گئی تھی۔ افسوس ہے کہ کمیونسٹ انقلاب اور اس کے بعد کی خانہ جنگی کے دوران روسی ترک بحیثیت مجموعی کوئی مثبت اقدام نہ کر سکے۔ اور ان کے علاقے ایک ایک کر کے بالشویک تسلط میں آگئے۔ اور اس طرح ان کی قومی تحریک جواب اس منزل میں داخل ہو رہی تھی جہاں اس کے بارآور ہونے کی توقع کی جاتی، ناتمام رہ گئی اور ترک قومیت اور ترک ذہن ایک اور قالب میں ڈھلنے پر مجبور کر دیا گیا۔

اب جہاں تک روایتی اسلامی ثقافت کا تعلق ہے، روسی ترکوں میں اس کے اثرات بتدریج کم ہوتے جا رہے ہیں اور وہ بالکل سیکولرزم میں رنگے گئے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ان کی ترکی قومیت بھی اسی طرح ناپید ہو جائیگی اور وہ سلاوی روسیوں میں مدغم ہو کر رہ جائیں گے۔ ان میں اب تک اپنے ترک ہونے کا احساس ہے اور پھر ان کی قومی و علاقائی زبانیں بھی زندہ ہیں، اور ظاہر ہے روبہ ترقی بھی ہیں۔ مصنف کے نزدیک روسی ترکوں کے مستقبل کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے لیکن یہ کہ وہ آگے چل کر اپنی انفرادیت بالکل کھو دیں، یہ ممکن نظر نہیں آتا۔

© rasailojaraid.com